سیر و اعلام

شیخ محمد عباس اختر
ایم اے پنجاب و فاضل مدینہ یونیورسٹی

دعوت سری کے تین سال

سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صفحات نورانی کرنا باعث سعادت ہے۔ اس لئے بغرض اصلاح اور برائے بحث و تمحیص خواص چند سطور حوالہ قلم و قرطاس کر رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ اہل علم ناچیز کی کوچہ قلم و قرطاس میں نا آشنائی کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہ صرف قلم کی لغزشوں سے صرف نظر فرمائیں گے بلکہ ناچیز کی پر خلوص اصلاح کے ساتھ حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

احوال عرب قبل از بعثت:

دنیائے انسانیت آگ کے گہرے گڑھے کے کنارے پر غوطہ زنی کے لئے بے تاب کھڑی تھی۔
حقوق انسانیت انسانوں سے کوسوں دور بلکہ خودکشی کی شاہراہ پر محو سفر
ظلم و بربریت کا دور دورہ
سسکتی بلکتی انسانیت دم توڑنے پر مجبور
کائنات کفر و شرک اور جہالت کی تاریکی میں ایسی غرقاب جیسے شب دیجور کی سیاہی میں تمام چیزیں چھپ جاتی ہیں۔
عدوان و عصیان کی برق رفتار آندھی ایسی چل چکی تھی کہ بر و احسان کی ساری باقیات تنکوں کی طرح بہ گئی تھیں۔
شرک اور خرافات رگ و ریشے میں رچی بسی ہوئی تھی
زبردستوں نے زیر دستوں پر ظلم و بربریت روا رکھنے کو اپنا حق سمجھ رکھا تھا۔
شرافت، عزت نفس، بلکہ رشتے ناطے تک کی پہچان عموماً مفقود ہو چکی تھی
اس اندھیر نگری میں روشنی کے کچھ ایسے آثار نمودار ہونے لگے کہ اہل عرب حیران و ششدر

رہ گئے۔

فضائیں آہستہ آہستہ تبدیل ہونے لگیں
ہوائیں رخ بدلنے لگیں

انسانیت سوز معاشرے میں انسانیت و انس و محبت اور مودت کے شگوفے اور کونپلیں پھوٹنے لگیں۔

کچھ ایسے نشانات کا ظہور و نمود ہونے لگا کہ جن سے انسانیت یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔

ہدایت کی آب صافی کا چشمہ شفاف' انسانیت کی سوکھی ہوئی تشنہ لبی کو سیراب کرنا چاہتا ہے۔

اور رشد و ہدایت کا آفتاب کامل تاریک دنیا میں نور و روشنی کی کرنیں بکھیرنے والا ہے

موحد اعظم اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل قریب ہی کے زمانے میں کچھ ایسے سلیم الفطرت و نرم خو متلاشی حق قسم کے لوگ موجود تھے جو ہر قسم کی برائی سے فطرتاً نفرت کرتے اور منہ موڑتے "شراب" کی لعنت' بدکاری اور اخلاق سوز حرکات سے نہ صرف خود دور رہتے بلکہ دوسروں کو بھی اخلاق کریمانہ کی پر خلوص دعوت دینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ فطرت سلیمہ کے پیش نظر ہر قسم کے معبودان باطل کی عبادت سے نفور ان کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ دین ابراہیمی کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے مثلاً ورقہ بن نوفل و عبیداللہ بن جحش' عثمان بن الحویرث' اور زید بن عمر' یہ چار نفوس سلیمہ ایک روز اپنی قوم کی مجلس سے الگ ہو گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ واللہ ماقومکم علی شیئی لقد اخطئوا دین ابیھم ابراھیم .... یا قوم التمسوا لانفسکم فانکم واللہ ماانتم علی شیئی فتفرقوا یلتمسون دین ابیھم ابراھیم (سیرت ابن ہشام:205/1)

اللہ کی قسم تمہاری قوم کسی چیز پر بھی نہیں انہوں نے اپنے باپ ابراہیم کے دین کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ لہٰذا اے قوم اپنے لئے کچھ اور ڈھونڈو کیونکہ اللہ کی قسم تم کسی چیز پر بھی نہیں ہو پس وہ وہاں سے اٹھ گئے اور مختلف علاقوں میں دین ابراہیم علیہ السلام کی تلاش میں نکل گئے۔

ان میں سے بعض نے عیسائیت قبول کر لی اور زید بن عمر نے کسی مذہب کو قبول نہیں کیا بلکہ بت پرستی غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز' مردار' خون وغیرہ سے اجتناب کرتا اور کہتا تھا کہ میں دین

ابراہیمی پر ہوں اور ابراہیم کے رب کی عبادت کرتا ہوں اور کبھی کبھی وہ یوں کہتا تھا اللھم لوانی اعلم ای الوجوہ احب الیك عبدتك بہ اے اللہ اگر میں اس بات سے واقف ہوتا کہ کس طرح تیری عبادت کی جائے تو میں اسی طرح تیری عبادت کرتا۔ لیکن میں ان راہوں کو نہیں جانتا اور اسی حال میں سجدہ ریز ہو جاتا۔ یہی وہ شخص ہے کہ جس کے بارے میں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم زید کی مغفرت کی دعا مانگ لیا کرو کیونکہ قیامت کے روز وہ مکمل ایک امت کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔ (سیرت ابن ہشام:208/1)

عراف' کاہن اور نجومیوں نے یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ عنقریب ایک عظیم الشان نبی پیدا ہونے والا ہے اور علماء یہود و نصاریٰ نے بھی تورات و انجیل کی بشارت سے لوگوں کو آگاہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

انسانیت کا مطلع سحر:

ایسے حالات میں رحمت الٰہی کے سمندر میں تلاطم پیدا ہو گیا رحمت الٰہی جوش میں آگئی'

انسانیت کی بخت آوری جاگ اٹھی'

بنی نوع انسان کی تیرہ و تاریک حیات دینوی کی طویل راتیں کٹنے لگیں اور سحر صبح درخشاں کی پو پھٹنے لگی۔

جوں جوں محسن انسانیت رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کے قریب ہوتی گئی تنہائی کا ذوق بڑھتا گیا۔

قلب و ذہن فکر و تجسس کی طرف زیادہ مائل ہونے لگے۔

مظاہر قدرت میں غور و خوض سے زیادہ کام لیتے تھے۔

مشرکین مکہ کے رسوم و اعمال سے کراہیت اور اجتناب فرماتے تھے۔

غیر اللہ کے نام کے ذبیحے اور چڑھاوے وغیرہ تک کو کھانے سے گریز فرماتے۔

خلوت نشینی اور تنہائی میں اللہ سبحانہ کی تسبیح و تہلیل میں اکثر اوقات مصروف رہتے کئی کئی روز کا کھانا ساتھ لے لیتے اور گھاٹیوں' غاروں میں رہ کر عبادت میں مشغول رہتے۔

عموماً غار حرا میں قیام فرماتے۔ ستو اور پانی پر اکتفا فرماتے اور جب یہ چیزیں ختم ہو جاتیں تو آپ واپس گھر تشریف لے آتے۔ پھر زاد راہ لے کر واپس غار حرا تشریف لے جاتے اور وہیں عبادت الٰہی

کے ذریعے اپنے سینہ انور کو معرفت الٰہی کی لذت آشنائی سے صیقل کرتے۔ روح کو غذا فراہم فرماتے۔ تقرب الٰہی میں اپنی پوری توجہ صرف کرتے۔

چنانچہ صفائے باطن کا یہ عالم تھا کہ صبح رونما ہونے والے واقعات و حادثات آپ کو رات ہی میں بذریعہ خواب نظر آ جاتے جسے "الرویا الصالحه" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (بخاری مع الفتح:1/18 باب کیف کان بدء الوحی)

اس دوران کبھی آپ جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ پر السلام علیک یا رسول اللہ کہتے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مڑ کر دیکھتے تو شجر و حجر کے علاوہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ (ابن ہشام:1/ 217)

چنانچہ حضور مکرم نے فرمایا میں مکے میں ایک پتھر کو اب بھی جانتا ہوں جو مجھ پر نبوت سے پہلے سلام کہتا تھا۔

ابو الکلام آزاد نے رحمت اللعالمین کے حوالے سے رویا صادقہ اور نزول قرآن کے درمیان چھ ماہ کا وقفہ بتایا ہے۔ (رسول رحمت:73)

نبوت کا پہلا دن:

اور جب آپ کی روحانی قوت اور قوائے انسانی عبادت و ریاضت کی غذائے روحانی سے نشوونما پا کر اس قابل ہو گئی کہ وحی اور نبوت کا بارگراں سہ سکے تو ایک روز غار حرا میں آپ کے پاس جبرائیل امین تشریف لے آئے اور کہا کہ "اقرأ" (پڑھئے) آپ نے جواب دیا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' تو اس نے آپ کو پکڑ کر زور سے بھینچا پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے: آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں: پھر اس نے دوبارہ پکڑا اور زور سے بھینچا اور چھوڑ دیا پھر کہا پڑھئے تو آپ نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو اس نے تیسری مرتبہ زور سے بھینچا پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ "اقرا باسم ربك الذی خلقO خلق الانسان من علقO اقرا و ربك الاکرمO الذی علم بالقلمO" پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے سب کچھ پیدا کیا جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا پڑھئے اور تیرا مہربان رب وہ ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ (صحیح بخاری:1/ 18)

یہیں سے خالق و مخلوق کے درمیان رابطے کا آغاز ہوتا ہے اور رحمت الٰہی کا پرتو روئے زمین کو روشن کرنا شروع کر دیتا ہے ایک مستحکم رشتہ زمین و آسمان میں استوار ہو جاتا ہے اور نوع انسانی کی

بخت سیاہ میں فیروز مندی کی ابتداء ہوتی ہے۔

اس واقعے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلال الٰہی سے لبریز' لقاء جبرائیل سے قوائے مبارک مضمحل و لرزاں ہو کر اپنے گھر تشریف لے آتے ہیں' راستے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان سے ایک آواز سنائی دیتی ہے کہ "یا محمد أنت رسول اللہ و أنا جبرائیل" اے محمد آپ اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور میں جبرئیل ہوں۔ (ابن ہشام:221/1)

محرم راز رسالت کے روبرو:

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوفزدہ ہو کر گھر تشریف لے آتے ہیں اور حضرت خدیجہ سے فرماتے ہیں کہ "زملونی زملونی" مجھے کمبل پہناؤ مجھے کمبل پہناؤ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کمبل اوڑھایا کچھ دیر کے بعد آپ کا خوف زائل ہو گیا اور نارمل حالت میں آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا واقعہ کہہ سنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لقد خشیت علی نفسی" مجھے جان کا خطرہ ہے' اس خشیت یا خوف کی وجہ کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے بارہ اقوال نقل فرمائے ہیں ان میں سے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اس سے موت کا خوف مراد ہے جو نزول وحی اور جبرائیل کا سامنا کرنے کی وجہ سے آپ پر طاری ہو گیا تھا۔ (فتح الباری:20/1)

لیکن علامہ شبلی نعمانیؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بلا شبہ یہ الفاظ نکلے "مجھ کو ڈر ہے" لیکن یہ تردد یہ ہیبت' یہ اضطراب' جلال الٰہی کا تاثر اور نبوت کے بار گران کی عظمت کا تخیل تھا۔ (سیرت النبی شبلی:133/1)

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تاریخی تشفیانہ کلمات:

حضرت خدیجہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات' خصائل اور اخلاق عالیہ سے سب سے زیادہ واقف تھیں اور خود بھی فطرت سلیمہ رکھتی تھیں لہٰذا عقلمند اور ذی شعور خاتون کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی آسیب یا جن وغیرہ کا اثر نہیں ہے لہٰذا وہ تسلی دیتی ہوئی فرماتی ہیں "کلا واللہ ما یخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم وتحمل الکل و تکسب المعدوم وتقری الضیف و تعین علی نوائب الحق" اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا

کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں غریبوں کو کما کر دیتے ہیں اور مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں اور اگر کسی پر مصیبت آ جائے تو آپ اس کے مددگار بن جاتے ہیں۔

ورقہ بن نوفل کی مجلس میں:

اس کے بعد حضرت خدیجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر ورقہ بن نوفل کے پاس جاتی ہیں جو کہ سن رسیدہ ہونے کے ساتھ نابینا ہو گیا تھا تاہم صحف سماویہ اور اُمم سابقہ کا علم رکھتا تھا اس نے پوچھا بھتیجے آپ نے کیا دیکھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا واقعہ بیان فرما دیا تو ورقہ بن نوفل فوراً سمجھ گیا اور کہہ اٹھا "هذا الناموس الذی نزل الله علی موسیٰ" یہ تو وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا کرتا تھا۔ کاش کہ میں اس وقت تک زندہ رہ سکوں کہ جب تیری قوم تجھے مکہ سے نکال دے گی تو آپ نے فرمایا:

"اومخرجی هم" کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا۔

ہاں! اس دنیا میں جو بھی شخص ایسی دعوت لیکر آیا اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا آیا ہے کاش کہ اگر میں اس وقت تک زندہ رہتا تو میں تیری بھرپور مدد کرتا۔ ورقہ بن نوفل نے وضاحت سے سمجھاتے ہوئے اور اپنی حمایت کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔

اس کے بعد وہ دونوں واپس ہو گئے اور وحی کا سلسلہ کچھ ایام کے لئے منقطع ہو گیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدستور غار حرا میں آتے جاتے رہے۔

انقطاع وحی کے بارے میں کافی اختلاف کیا گیا ہے تاہم راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرصہ کچھ ایام پر مشتمل تھا جیسے ابن حجر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے (فتح الباری:23/1) اور اس کی تائید مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری نے بھی اپنی مشہور زمانہ کتاب الرحیق المختوم میں کی ہے۔ (69/1)

اس دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت اتنی پریشان، حزین اور متفکر کن تھی کہ آپ کبھی کبھی تنگ آ کر سوچتے کہ میں اپنی جان ہی ختم کر ڈالوں چنانچہ ایک مرتبہ آپ اسی نیت سے نکلے اور پہاڑ پر چڑھنے لگے اتنے میں ایک آواز سنی کہ "یا محمد انت رسول اللہ وأنا جبرائیل" اے محمد آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔ اور فرماتے ہیں کہ میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا

کے دیکھا تو جبرائیل افق آسمانی کو ڈھانپے ہوئے تھا اور مجھے اپنے ارادے کا ہوش نہ رہا۔ (سیرت ابن ہشام:221/1)

لیکن فترۃ الوحی کے بعد کتب حدیث میں جو روایت منقول ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں چل رہا تھا (غار حرا سے گھر کی طرف) کہ اچانک ایک آواز سنی میں نے نظر اٹھا کے دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جسے دیکھ کر میں سہم گیا اور فوراً گھر آیا اور میں نے کہا "زملونی زملونی" بعض روایات میں "دثرونی" مجھ پر کپڑا اڑھاؤ مجھ پر کپڑا اڑھاؤ اور میں کپڑا اوڑھ کر لیٹ گیا تو اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرما دی۔ "یا ایها المدثر○ قم فانذر○ و ربك فکبر○ و ثیابك فطهر○ والرجز فاهجر○ ولا تمنن تستکثر○ و لربك فاصبر○" اے چادر لپیٹنے والے اٹھ اور عذاب الٰہی سے لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے لباس کو پاک صاف رکھ اور نجاست شرک و بدی سے جدائی اختیار کر اور فائدہ حاصل کرنے کی نیت سے احسان نہ کر اور اللہ کی خاطر آمدہ تکالیف پر صبر کر۔

بعض متاخر ارباب سیرو تاریخ جیسے قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ نے ان آیات کا اعلانیہ تبلیغ کے موقع پر نازل ہونا ذکر کیا ہے لیکن یہ بات دل کو نہیں لگی۔ کیونکہ اگر ایسا ہی ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر آکر دعوت و تبلیغ کا کام کرنا اور اس کے بعد بہت سوں کا ایمان لے آنا سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے بغیر یہ کام اپنی طرف سے کیسے شروع کیا بالخصوص ان ایام میں کہ جب آپ انقطاع وحی کی بناء پر انتہائی متفکر و پریشان تھے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد جبرائیل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر دامن کوہ میں آئے اور آپ کے سامنے وضو کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وضو کیا پھر جبرائیل امین نے نماز پڑھائی۔

اب اس کے بعد نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم کے تحت توحید کی دعوت و تبلیغ میں مگن ہو گئے جس کی ابتداء اپنے ہی گھر سے کی۔

دعوت دین کا پہلا دن:

علامہ شبلی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ کی زبان میں مرحلہ یہ تھا کہ یہ پر خطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کی جائے اس کے لئے وہ لوگ انتخاب کئے جا سکتے تھے جو فیضیاب صحبت رہ چکے تھے۔

لہذا سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس دعوت کو رکھا خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی آپ کو نبی مان چکی تھیں چنانچہ سب سے پہلے توحید کی دعوت کو جس ذات بابرکت نے قبول کیا وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات عالیہ سامیہ تھی۔

(سیرت النبی:1/134)

طبری نے واقدی سے نقل کیا ہے "اول اهل القبلة استجابا لرسول الله صلى الله عليه وسلم خديجة بنت خويلد رحمها الله" اہل قبلہ میں سے سب سے پہلے جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کیا وہ خدیجہ بنت خویلد رحمہا اللہ تھیں۔

(طبری:2/307)

پہلے دن کے مسلمان:

اس کے بعد ارباب سیر میں اس بات پر اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کون مسلمان ہوا حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہم اجمعین

اکثر و بیشتر کی رائے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اسلام قبول کیا اور بعض کے نزدیک حضرت ابو بکر نے اور بعض نے علی و زید میں سے ایک کے اوپر دوسرے کو مقدم جانا ہے۔ چنانچہ معتدل اور جمہور ارباب سیر و تاریخ نے یہ توافق بیان کیا ہے کہ بالغ مردوں میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور نوجوانوں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کی دعوت میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ چاروں بزرگ پہلے ہی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی معظم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم نے سب سے پہلے جن لوگوں کو دعوت اسلام کے لئے اختیار فرمایا وہ آپ کے سب سے زیادہ عزیز، قریبی، دوست اور گھر والے ہی تھے جن کے ساتھ آپ کی زندگی کے نشیب و فراز، راز نہیں رہ سکتے تھے بلکہ ہر چیز روز روشن کی طرح ان کے سامنے عیاں تھی اور ان پر اعتماد تھا جو آپ کی عظمت و جلالت شان، صدق و صفا، امانت و دیانت، راز و نیاز کی تمام باتوں سے نہ صرف آشنا بلکہ آپ کے معترف اور عقیدت مند تھے۔ جن سے کسی بھی بات میں اختلاف کی توقع نہ تھی۔

یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جو پہلے ہی روز کائنات کے پہلے مسلمان بنکر اللہ کے ہاں درجات علیا

پانے میں کامیاب ہو گئے۔

داعیان عصر حاضر کے لئے چند سنہرے اصول:۔

دور حاضر میں مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں ان میں اگر مسلمانوں کی دینی غربت' بے بسی اور حالت زار پر نگاہ دوڑائی جائے تو عقائد و عملیات کے لحاظ سے کسی بھی طور پر عصر جاہلیت (قبل از اسلام) کے لوگوں کے حالات و عقائد سے ہمارے حالات زیادہ بدتر نہ ہوں تو کم ہرگز نہیں توحید و شریعت کی تعلیمات کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کی جائیں تو بعینہ ویسے ہی جواب اور نوازشات کی بارش ہوتی ہے جیسے مشرکین مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روا رکھتے تھے حتیٰ کہ بعض معاملات میں تو ایسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے جو مشرکین مکہ سے بھی دو قدم آگے نظر آتے ہیں۔

ایسے میں علماء اور داعیان حق کے لئے لازم ہے کہ اپنے اندر درج ذیل اوصاف پیدا کریں اور خلیفۃ اللہ علی الارض اور ورثہ الانبیاء ہونے کا حق ادا کریں۔

1۔ "لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة" کو پیش نظر رکھ کر "كان خلقه القرآن" کا عملی نمونہ پیش کریں تاکہ اخلاق حسنہ اور اچھے کردار و گفتار سے اس کے قریبی خصوصاً اہل خانہ اسے احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جائیں۔

2۔ کتاب و سنت کی موتیوں سے اس کا دامن لبریز ہو اور ہر مسئلے میں لوگوں کی تشفی کر سکے۔

3۔ تمام اخلاق ذمیمہ اور کردار شنیعہ سے اپنے آپ کو ایسے پاک صاف رکھے کہ اپنے پرائے سبھی اس کی عالی ظرفی اور پاکیزہ نفسی کی شہادت دے سکیں ورنہ بسا اوقات ایسے حالات سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے کہ جن میں اپنے محرم راز تک بھی ساتھ دینے سے انکار کر دیتی ہے اور برادری و دوستی کسی کام نہیں آتی۔

4۔ اس کے قول و فعل میں توافق ہو اور حقوق العباد کے تعامل میں کج رو نہ ہو اپنے مفاد کو اجتماعی مفاد پر قربان کرنے کی ہمت و جرات ہو

5۔ اس کا حلقہ احباب ایسا ہو کہ جن میں کوئی امیر ہو یا غریب اس کے نزدیک یکساں ہو اور اس کی ہمدردی کے بارے میں ہر شخص یہ یقین حاصل کر جائے کہ سب سے زیادہ یہ شخص مجھ سے

مخلص و ہمدرد ہے۔

6۔ فقراء، مساکین اور مستحقین کے ساتھ خصوصی برتاؤ اور اچھے سلوک سے پیش آنے والا ہو اور ہر شخص کی مصیبت و تکالیف میں مدد کے لئے ہمہ وقت مستعد رہے۔

7۔ ہراس جائز طریقے کو اپنانے کی کوشش کرے جس کے ذریعے ناموافق حالات اور فضائے ناساز گار اس کے حق میں ہموار ہو جائے تاکہ دعوت دین کے لئے اسے کم سے کم مشکلات درپیش ہوں۔

8۔ اس راستے میں کسی قسم کے مصائب و مشکلات آئیں خندہ پیشانی سے قبول کرکے اسے برداشت کرنے کی صلاحیت ہو۔

9۔ اس کی منزل، اس کا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول ہو دنیاوی مفاد اور ذاتی عزت و شہرت سے کلیتہ "کنارہ کش ہو۔

یہ وہ چند اوصاف حمیدہ ہیں جن کا کسی داعی حق میں پایا جانا نہایت ہی ضروری ہے ان کے بغیر آپ اپنی دعوت اور زبان میں وہ اثر پیدا نہیں کر سکتے جس کے ذریعے، آپ اپنا ہدف حاصل کر سکیں۔ نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی اوصاف حمیدہ تھے کہ جن کی بناء پر پہلی ہی دفعہ جن کے سامنے آپ نے دعوت حق کو رکھا وہ بلاچون و چرا حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اگر یہی اوصاف و خصائل ہمارے داعیان دین میں بدرجہ اتم موجود ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں بھی ایسے لوگ میسر نہ آئیں جو فوراً متاثر ہو کر دعوت حق کو قبول کرلیں۔

آج دعوت توحید و سنت کی راہ میں حائل بہت بڑی رکاوٹ دور حاضر کے عام مبلغین کا ان خوبیوں سے عاری اور "لم تقولون مالا تفعلون" کے مصداق ہونا ہے۔

نامساعد حالات میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار:۔

نبی مکرم و معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں اپنی دعوت و تبلیغ کو اپنے دوستوں رشتہ داروں تک ہی محدود رکھا اور خفیہ طور پر ہر ایک سے ملتے اور دعوت حق دیتے توحید کی طرف بلاتے اور شرک و رذائل سے اجتناب کی تعلیم دیتے۔ ان خطرناک ترین حالات میں سب سے زیادہ جس ذات عالی مقام نے کردار ادا کیا وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکت تھی وہ قریش میں بڑے نرم مزاج، خوش اخلاق، رحم دل، صائب الرائے مشہور تھے۔ آپ کا حلقہ احباب قریش میں بہت وسیع تھا

آپ کی فہم و فراست و میانہ روی و دانش مندی کی وجہ سے قریش میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا جو کسی اور کو میسر نہ تھا جس کی ایک بنیادی وجہ آپ کی دیانت دارانہ تجارت تھی جس کی بناء پر آپ کا حلقہ کافی وسیع تھا چنانچہ آپ ہر اس شخص کو جو آپ کے پاس آتا اور اس میں خیر کی امید پاتا انہیں دعوت اسلام سے آشنا کرتا۔ توحید سمجھاتا اور شرک کے نقصانات سے آگاہ فرماتا۔ چنانچہ انہیں کی دعوت سے درج ذیل پانچ نفوس پاک حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

1۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

2۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

3۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

4۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

5۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت خدیجہ کے علاوہ یہ وہ آٹھ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت قبول کی اور السابقون الاولون کے سرخیل بن گئے۔ حضرت بلال حضرت عمرو بن عنبسہ حضرت خالد بن سعد بھی چند ہی روز کے بعد مسلمان ہو گئے۔ (رحمت للعالمین:49/1)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ دعوت:۔

ان ایام میں نبی اکرم علیہ الف التحیتہ والتسلیم کا یہ طریقہ ہوا کرتا تھا کہ جو بھی آیت نازل ہوتی وہ اپنے صحابہ کرام کو یاد کراتے اس کے احکامات و مسائل سے آگاہ فرماتے اور جو مسلمان نہ ہوئے تھے انہیں یہ آیتیں پڑھ کر سناتے جن میں اللہ کی تعریف اور اس کی قدرت کاملہ کا ذکر عظمت و جلال الٰہی کا تذکرہ اور صفات الٰہیہ کا بیان ہوتا تھا جو کفار کو لرزہ براندام کر دیتا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا اس سلسلے میں آپ انتہائی احتیاط سے کام لیتے اور بقول شبلی جو ہوا پوشیدہ طور پر ہوا اور محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پایا۔

چنانچہ لوگ چھپ چھپ کر مسلمان ہوتے اور ان کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا گیا اور ایک اچھی خاصی جماعت مسلمانوں کی تیار ہو گئی جن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

1۔ حضرت ابو عبیدۃ عامر بن الجراح
2۔ حضرت ابو سلمتہ
3۔ حضرت ارقم بن ابی الارقم
4۔ حضرت عثمان بن مظعون

5۔ حضرت عبیدہ بن الحارث
6۔ حضرت سعید بن زید
7۔ حضرت فاطمۃ بنت الخطاب
8۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر
9۔ حضرت عائشہ بنت ابی بکر(1)
10۔ حضرت عمیر بن ابی وقاص
11۔ حضرت عبداللہ بن مسعود
12۔ حضرت عبداللہ بن جحش
13۔ حضرت ابو احمد بن جحش
14۔ حضرت جعفر بن ابی طالب
15۔ حضرت اسماء بنت عمیس
16۔ حضرت نعیم بن عبداللہ
17۔ حضرت عامر بن الفہیرہ
18۔ حضرت خالد بن سعید
19۔ حضرت امیتہ بنت خلف
20۔ حضرت عمار بن یاسر
21۔ حضرت صہیب بن سنان
22۔ حضرت ابو ذر غفاری وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین

ابن ہشام کے مطابق تقریباً 54 نفری مرد و زن دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے ان اصحاب باصفا میں سے اکثر کی عمریں بیس سے کم اور بعض کی بیس اور پچیّس کے درمیان تھیں۔ صرف صدیق اکبر کی عمر مبارک اڑتیس برس تھی۔

ان میں سے اکثر اپنے اہل خانہ سے چھپ کر مسلمان ہو گئے تھے اور اکثر غریب و نادار تھے جن کا مکہ میں کوئی حامی و مدد گار نہ تھا۔ چند ایک غلام تھے جن کی مکے میں کوئی عزت نہ تھی البتہ چند حضرات ایسے تھے جو مکہ میں باعزت اور مرتبے والے تھے مثلاً حضرت عثمان بن عفان حضرت زبیر بن عوام حضرت عبدالرحمٰن بن سعد' حضرت طلحہ حضرت ابوعبیدہ' حضرت ارقم بنِ ابی ارقم حضرت سعید وغیرہ۔

یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا اور لوگ رفتہ رفتہ شرک و بت پرستی کی لعنت سے بیزار ہو کر اسلام میں داخل ہوتے رہے اور کاروان حق کا قافلہ آگے کی جانب بڑھتا گیا۔

اس تین سال کے عرصے میں قریش کی تقریباً ہر محفل و مجلس میں اس نئے دین کا تذکرہ ہونے لگا تھا لیکن چونکہ ہر مسلمان اپنے اسلام کو خفیہ رکھتا تھا اور اعلانیہ طور پر معبود ان باطل کو کچھ نہیں کہتا تھا لہٰذا قریش عام طور پر تمسخر واستہزاء کرتے تھے اجتماعی طور پر مشرکین مکہ مسلمانوں کی ایذا رسانی سے باز رہتے تھے۔

مسلمانوں میں سے چونکہ اکثر فقراء و مساکین تھے لہذا کفار یہی کہتے "أهولاء من الله عليهم من بيننا"؟ (الانعام:53) کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمیں چھوڑ کر احسان کیا ہے۔ کفار تو انہیں حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھتے تھے کیونکہ یہ لوگ مالدار اور ذی حیثیت نہیں تھے۔ لیکن یہی وہ چیز تھی جس کی وجہ سے ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہو گئی۔ کیونکہ ان کو کونسا ایسا ڈر تھا کہ بت پرستی چھوڑنے پر ان کی آمدنی متاثر ہو سکتی۔ کونسا وہ بڑا منصب تھا کہ اسلام لانے کے بعد ان کے ہاتھ سے نکل جانے کا خدشہ دامن گیر ہو۔

جب ایسی دنیاوی لالچ یا نقصان کا ظاہراً کوئی خطرہ لاحق نہ تھا اور ان کے دل شفاف و خالص تھے تو جیسے ہی ایمان کی روشنی کی کرن ان کے اذہان و قلوب کے صاف و شفاف تختے پر پڑی دل کی گہرائیوں میں گھر کرتی گئی۔ جسے بعد میں قریش کا بڑے سے بڑا ظلم و ستم بھی نکال باہر نہ کر سکا۔

کور چشمان قریش کے نزدیک تو یہ لوگ حقیر و ذلیل تھے جن کی کوئی حیثیت نہ تھی لیکن یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ناقابل تسخیر ایمانی قوت کے ذریعے قیصر و کسری کے ایوانوں کو تہ و بالا کر کے توحید کے علم کو بلند کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری توانائی اور کوشش انہی افراد جماعت کی تطہیر قلوب اور تزکیہ نفس اور تعلیم و تربیت پر صرف فرمایا اور عبادات و عملیات اور اخلاق کریمانہ کے مواعظ حسنہ سے ان کے قلوب کو منور فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو انہیں لیکر کسی گھاٹی میں چلے جاتے اور چھپ کر نماز ادا فرماتے تھے۔ شروع میں نماز دو رکعت تھی جو صبح شام ادا کی جاتی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے نکلتے تو حضرت علی بھی ابو طالب سے چھپ کر نکل گئے اور ایک گھاٹی میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔

ایک دفعہ ابو طالب وہیں سے گزر رہا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے بھتیجے یہ کیسا دین ہے جسے تم اپنا رہے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ اللہ کا دین ہے اس کے فرشتوں کا دین اس کے رسولوں کا دین اور ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو بھی اس دین کو اختیار کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ بیٹا میں تو اپنے آبائی دین کو نہیں چھوڑ سکتا البتہ جب تک میں زندہ ہوں تم کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ ایک روایت کے مطابق ابو طالب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ محمد تمہیں بھلائی

کی طرف لے جائے گا اس کو مت چھوڑنا۔ (ابن ہشام:230/1)

ایک دفعہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کسی مشرک نے شرارت کی اور نماز سے روکنے لگے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر اس کو مارا جس سے وہ زخمی ہوا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اسلام میں پہلا خون سعد نے بہایا اس طرح تین سال تک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طور پر دین کی تبلیغ فرماتے رہے اور جو اسلام لانا چاہتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں توحید کی تعلیم دیتے قرآن یاد کراتے اور شرک سے ڈراتے اسی کیفیت میں تین سال گزر گئے اور یہ آیت نازل ہوئی "فاصدع بما تومرو اعرض عن المشرکین" اس کے بعد سے اعلانیہ طور پر دعوت و تبلیغ کا حکم ہوا اور کھل کر دعوت اسلام سامنے آنے لگی۔

اس دور سری میں جس انداز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک دین حق پہنچایا اور جس طریقے کو اپنایا انہیں بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان ابتدائی تین سالوں میں سب سے زیادہ جن لوگوں پر توجہ مرکوز کی وہ ایسے لوگ تھے جن کے ساتھ روز مرہ معاملات میں ہمیشہ سامنا ہوتا اور جن کے ساتھ چھوٹے بڑے ہر قسم کے معاملات درپیش ہوتے ایسے لوگوں کے ساتھ خواہ کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو کچھ نہ کچھ ایسے معاملات درپیش ہوتے ہی ہیں جن کی وجہ سے ایک دوسرے کی خوبیوں اور خامیوں کو اچھی طرح پرکھنے کا موقع ملتا ہے جن کے سامنے انسان خواہ جتنی بھی احتیاط اور کوشش کے ذریعے اپنے عیوب کو چھپانا چاہے وہ چھپ نہیں سکتی کوئی نہ کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جاتی ہے جس سے ایک دوسرے کے درمیان خلش اور خلیج کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

یا کوئی ایسا عمل سرزد ہو جاتا ہے کہ دوسرا ناراض اور شاکی ضرور ہوتا ہے۔ اس کی کوئی نہ کوئی حرکت دوسرے کو ناپسند ضرور ہوتی ہے۔ جن کے ساتھ ہمیشہ اٹھنا بیٹھنا' سونا جاگنا' معاملہ کرنا گفتگو کرنا غرض ایک ہی گھر میں رہنے والے ایک دوسرے کے عادات اور خصائل سے کسقدر واقف ہوتے ہیں۔

اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو رسول مقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مبلغ حقیقی اور محسن انسانیت کی حیثیت سے انسانی جذبات و خواہشات کو کس قدر لگام دے رکھا تھا۔ چالیس برس کی طویل زندگی (جو عمر کا دو تہائی حصہ ہوتا ہے) میں کوئی تو وقت ایسا آیا ہو جس میں آپ نے کسی کو

ناراض کیا ہو کسی کو سب و شتم کیا ہو کسی کا حق کھایا ہو کسی پر ظلم کیا ہو کسی کے خلاف نفرت و عداوت کا اظہار کیا ہو کسی سے بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہو غرض ایسا کونسا معاملہ ہے جو کسی انسان کے ساتھ پیش نہیں آتا۔

مگر ساری کائنات کے مورخین اور اصحاب سیروسوانح ملکر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طویل زندگی میں کوئی ایک شوشہ یا کسی قسم کا بھی رخنہ ثابت نہیں کر سکتے۔ جس سے آپ کے کردار و شخصیت پہ حرف آئے۔ کتنی حیرت انگیز حقیقت ہے کہ آپ نے ہر قسم کے اخلاق رذیلہ اور خواہشات انسانی سے اپنے آپ کو محفوظ و مصون رکھا۔

یہی وجہ ہے کہ گھر کے راز دار افراد تک کو کوئی شکایت کا موقع نہیں ملا اور آپ کی ہر ادا پر جان نچھاور کرنے کو اپنی خوش نصیبی گردانتے تھے۔ (۱) یہی وجہ ہے کہ جب بار نبوت آپ کے مبارک کندھوں پر لادا گیا اور دعوت دینے کا حکم ہوا تو آپ نے سب سے پہلے یہ دعوت اپنے اہل خانے کے سامنے پیش کیا۔

اہل خانہ کے اعتماد و یقین کا یہ عالم تھا کہ بلاچوں وچرا اس دعوت پر لبیک کی صدا بلند کی۔

یقیناً اگر داعیان توحید و سنت اپنے اندر اور باہر دونوں کو اسوہ رسول ہاشمی علیہ افضل التحیات والتسلیم سے مزین کرلیں تو کائنات میں کتاب و سنت کی دعوت پھیلنے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

دوسرے وہ لوگ تھے جن کی فطرتاً عادات و خصائل اچھے اور پسندیدہ تھے جو فطرتاً شراب نوشی جوا بازی بتوں کی عبادت' کذب بیانی' دھوکہ دہی وغیرہ جیسے رذیل عادات سے نہ صرف دور رہتے بلکہ انکو دل سے ناپسند بھی کرتے تھے انہی لوگوں میں سے ایک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات ہے جن کی یہی عادات و اطوار عبداللہ کے نیک سیرت و نیک خصلت بیٹے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آئے۔ اور بچپن سے ہی انہیں اپنا ساتھی' دوست اور ہم خیال بنا لیا اور یہی دوستی تا دم آخرین بڑھتی ہی گئی کبھی گھٹنے میں نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرے کے ہمہ اوصاف و خصائل و عادات سے واقفیت کی بناء پر ایک دوسرے پر اعتماد کرتے اور ایک دوسرے کی بات کا یقین کر لیتے چنانچہ دعوت اسلامی صدیق اکبر کے سامنے پیش کی گئی تو بلاچوں چرا فوراً تسلیم کر لیا کیونکہ اسے یقین کامل تھا کہ محمد بن عبداللہ کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس میں جھوٹ کا شائبہ ہو۔

اسی یقین کے بل بوتے پر اسلام قبول کرلیا اور کسی تردد یا تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

یہی اوصاف کم و بیش تقریباً ہر اس پروانہ رسول میں موجود تھا جس نے چھپ چھپ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نثار کرنے کا عہد کرکے توحید رب العالمین کو سینے سے لگایا تھا۔

یہی کردار کی یکسانیت ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھینچتی چلی آئی تھی۔ اور برسوں کی تشنہ لبی کو توحید کے آب شیریں سے سیراب کرتے تھے۔

اگر آج بھی داعیان توحید و سنت کی دوستی اور دشمنی کا معیار یہی اوصاف پاکیزہ ہو تو ایسے جلیس صالح اور صحبت صالح سے کیوں نہ متاثر ہوں۔

لیکن افسوس ہمارے آس پاس ایسے لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے جو شرع الٰہی تک کی دھجیاں بکھیرنے کو اپنی بہادری اور عقلمندی تصور کرتے ہیں۔ اس میں اصحاب سوء کی غلطی سے بڑھ کر ان وارثان علم نبوت اور داعیان شرع متین کی غلطی ہے جو اپنے آپ کو وارث علم نبی کہہ کر اس کی عملی تکذیب کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر ان میں وہ نبوی عادات و اخلاق آ جائیں تو یہ کفر و شرک اور بدعت کی تاریک گھٹائیں معاشرے سے اس طرح چھٹ جائیں جیسے بارش چٹان کے گرد کو صاف کردیتی ہے۔

کاش کہ داعیان حق اور مبلغین اسلام میں وہ اخلاص و عمل کی خوبیاں پھر سے پیدا ہوں جن کو اپنا کر خفیہ تبلیغ کے تین سالوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی نصیب ہو گئی تھی۔

وصلی اللہ علی نبینا و حبیبنا محمد و آلہ واصحابہ وسلم

---

(1) حضرت عائشہ کی عمر کے متعلق اختلاف ہے مگر ہمارے خیال میں راجح یہی ہے کہ شادی کے وقت وہ نو برس کی تھیں۔ لہٰذا یہ محل نظر ہے۔ واللہ اعلم (ادارہ)

(1) اس کی واضح ترین مثال زید بن حارثہ کا قصہ ہے جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کو آزادی پر ترجیح دی تھی۔ (ادارہ)